اکابر اہل سنّت کی تصانیف میں تدلیس و تدسیس

پروفیسر سعید نفیسی کی رائے

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اپنے دعوے کو ثابت کرنے سے پہلے مشہور ایرانی محقق اور فاضل پروفیسر سعید نفیسی کی تصنیف ''جستجو در احوال و آثار فرید الدین عطار نیشاپوری'' سے چند اقتباسات ہدیۂ ناظرین کروں۔ موصوف لکھتے ہیں:

''جب اسلام میں مختلف فرقے پیدا ہوئے تو آغاز ہی سے انہیں ایران میں اپنے پیرو کثیر تعداد میں مل گئے۔ دراصل اسلامی فرقوں کی تاسیس کا سہرا ایرانیوں کے سر ہے۔ اس کی دلیل بالکل واضح اور روشن ہے۔ ایرانی باشندے عربوں کے تسلط سے پہلے بارہ سو سال تک دنیا میں بڑے جاہ و جلال کے ساتھ زندگی بسر کرتے چلے آ رہے تھے' اس لئے انہیں اپنے اوپر خلفائے دمشق یا خلفائے بغداد کی حکمرانی کسی طرح پسند یا گوارا نہ تھی۔ یہی وجہ تھی کہ ہر ایرانی ایک اصول اپنی طرف سے وضع کرتا تھا اور ایک گروہ اس کا ہم نوا بن جاتا تھا اور یہ سلسلہ نویں صدی تک جاری رہا۔

پانچویں صدی تک بیشتر اہل ایران حنفی تھے یا شافعی تھے۔ طبرستان میں زیدیہ فرقہ اکثریت میں تھا۔ سبزوار کے علاقے میں شیعہ جعفریہ کا غلبہ تھا۔ قزوین میں اسمٰعیلیہ کا زور تھا۔ کرامیہ فرقہ جنوبی خراسان میں معروف تھا۔ صوفیہ اپنے آپ کو ان فرقوں سے مافوق سمجھتے تھے اور کسی کی مخالفت نہیں کرتے تھے۔ مشہور صوفی عبداللہ انصاری حنبلی تھے۔ ان کے علاوہ چھٹی صدی تک تمام صوفیہ حنفی تھے۔''

مؤلفِ ''مجالس المؤمنین'' نے جو شیعہ تراشی میں مشہور ہے' عطار ؒ کو شیعہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور دلیل میں وہ اشعار پیش کئے ہیں جو انہوں نے علی بن ابی طالب کی منقبت میں لکھے ہیں۔ حالانکہ انہوں نے ''ہر چہار یار'' کی

مدح کی ہے اور دونوں گروہوں کے تعصب کا رد کیا ہے۔ طہران میں عطار کی بعض مثنویوں میں سے پہلے تین خلفاء کے مناقب کو اسی لئے حذف کر دیا گیا ہے۔ ایرانی شیعہ دورۂ صفویہ سے پہلے تینوں خلفاء کی شان میں بدزبانی نہیں کرتے تھے۔ عطار نے ہر مثنوی میں چار یار کی مدح کی ہے۔ اگرچہ موجودہ نسخوں میں مدحِ خلفاء کو حذف کر دیا گیا ہے، مگر قلمی نسخوں میں مدح موجود ہے۔ مثلاً اسرارِ زمانہ میں مرقوم ہے:

سپہر صدق را خورشید انور　　امیر المؤمنین صدیق اکبرؓ
شریعت را نخستین قرۃ العین　　رفیقِ مصطفیٰ و ثانی اثنین

قلمی نسخے میں ایک شعر یوں ہے:

سوار دیں پسر عم پیمبر　　شجاع شرع و صاحب حوضِ کوثر

لیکن طہران کے مطبوعہ نسخے میں اسے اس طرح تبدیل کیا گیا ہے:

خصوص آں وارث دین پیمبر　　چراغ شرع و صاحب حوضِ کوثر

مصیبت نامہ عطار کے قلمی نسخے میں یہ اشعار موجود ہیں:

تا نبی صدیق را محرم گرفت　　صبح صادق جملۂ عالم گرفت
مردہ ای کہ می رود بروئے خاک　　ہست از قول نبی صدیق پاک

مدح صدیقی میں ۲۷ اشعار ہیں، مدح فاروقی میں ۱۲۲ اشعار ہیں، مدح عثمانی میں ۲۷ اشعار ہیں۔ لیکن اسی مصیبت نامہ کا جو ایڈیشن ۱۳۵۴ء میں طہران سے شائع ہوا ہے اس میں ان کو حذف کر دیا گیا ہے۔

حالانکہ اس میں شک نہیں ہے کہ عطارؒ سلسلہ کبیرویہ سے متعلق تھے اور شیخ نجم الدین کبریٰ کے معتقد تھے۔ (اہل سنّت میں سے تھے نہ کہ شیعہ)

عطار سے ۶۶ کتابیں منسوب ہیں، لیکن ان میں سے صرف دس کتابیں ان کی مصنفہ ہیں:

خسرو نامہ، مختار نامہ، اسرار نامہ، مصیبت نامہ، دیوان، جواہر نامہ، شرح القلب، الٰہی نامہ، پند نامہ اور منطق الطیر۔

جو کتابیں ان سے منسوب ہیں ان میں سے ایک کتاب کا نام جواہر الذات ہے۔ یہ کتاب ۱۳۵۵ھ میں طہران سے شائع ہوئی تھی، لیکن اس کتاب کے

مصنف نے اکثر مقامات پر ''اظہار تشیع'' کیا ہے' اس لئے کسی طرح ممکن نہیں ہے کہ یہ کتاب عطار کی تصنیف ہو۔ اسی طرح حلاج نامہ بھی عطار کی تصنیف نہیں ہے۔ تیسری کتاب جو عطار سے منسوب ہے' اس کا نام سی فصل ہے۔ ''گویندۂ ایں کتاب ہم شیعہ بودہ'' اس کتاب کے ایک شعر سے ثابت ہے کہ اس کا مصنف وہی ہے جس نے جواہر الذات لکھی ہے۔ وہ شعر یہ ہے:

بجوہر ذات گفتم ایں معانی   تو می باید کہ ایں معنی بدانی

لسان الغیب بھی ان کی تصنیف نہیں ہے' کیونکہ اس میں یہ اشعار مندرج ہیں:

شیعۂ پاک است عطار اے پسر   جنس ایں شیعہ بجانِ خود بخر
ماز فاروق (۱۸) التجا برکندہ ایم   پے ز نورین (۱۹) شما بریدہ ایم

پروفیسر نفیسی نے آخر میں یہ فیصلہ صادر کیا ہے:

''در ہر صورت ہیچ تردیدے نیست کہ مردے بودہ است جعال' در قرن نہم' کہ خود را فریدالدین عطار می خواند و در مشہدمی زیست و چندیں کتب ست و بے مغز مانند اشتر نامہ' بلبل نامہ' جواہر الذات' حلاج نامہ' خیاط نامہ' کنز الاسرار' لسان الغیب' مظہر العجائب ساختہ کہ ہیچ وجہ از فریدالدین عطار نیشاپوری' نیست'' (ص ۱۶۶)

جو نسخہ جواہر الذات کا میری نظر سے گزرا ہے اس میں سے صرف دو شعر ذیل میں درج کرتا ہوں جن سے پوری کتاب کا اندازہ ہو جائے گا۔ اور یہ بات بھی واضح ہو جائے گی کہ یہ شعر حضرت شیخ فریدالدین عطار نیشاپوریؒ اپنے قلم سے ہرگز نہیں لکھ سکتے تھے:

محمد را شناس ایں جا خدا تو   وگرنہ او فتی اندر بلا تو
علی با مصطفیٰ ہر دو خدایند   کہ دم دم راز بر ما می کشایند

ان شعروں کے مضمون سے صاف ظاہر ہے کہ ان کا کہنے والا عبداللہ بن سباء کا مخلص پیرو تھا اور طائفہ ضالہ یا قرامطہ سے تعلق رکھتا تھا۔

میں نے پروفیسر سعید نفیسی کی محققانہ تصنیف سے یہ اقتباسات اس لئے درج کئے

---

۱۸) یعنی حضرت فاروق اعظمؓ
۱۹) یعنی حضرت عثمان ذوالنورینؓ

ہیں کہ ناظرین پر یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ:

۱) قرامطہ نے صوفی بن کر اپنے عقائد باطلہ کو اسلامی تصوف کے ساتھ اس طرح مخلط کر دیا کہ عوام کے لئے امتیاز بین الحق والباطل ناممکن ہو گیا۔

۲) تصوف کے نام سے عامتہ المسلمین میں اپنے عقائد شائع کر دیئے اور شیخ طریقت بن کر ان عقائد کو دن رات اپنی مجلسوں میں بیان کر کے جاہل اور سادہ لوح اہل سنّت کے دل و دماغ میں اس طرح پیوست کر دیا کہ وہ ان کی جذباتی' اخلاقی اور روحانی زندگی کا جزو لاینفک بن کر رہ گئے۔ چنانچہ وہ ہر مصیبت کے وقت اللہ کے بجائے کسی غیر اللہ ہی کو پکارتے ہیں۔ان کی زبان پر بے ساختہ کسی اپنے ہی جیسے عاجز اور فانی انسان کا نام آ جاتا ہے۔ حالانکہ تصوف نام ہی ہے نقش غیر کو لوحِ دل سے مٹا دینے کا۔

کجا غیر و کو غیر و کو نقش غیر　　سوی اللہ واللہ مافی الوجود
کل مافی الکون وہم او خیال　　او عکوس فی المرایا او ظلال

۳) اسلام کے ان دشمنوں نے تصوف کی مشہور کتابوں میں اپنے عقائد شامل کر دیئے اور جہاں موقع ملا اسلامی عقائد کو حذف کر دیا۔

۴) مشہور صوفیوں کے نام کا ناجائز استعمال کیا' یعنی کتابیں خود لکھیں مگر انہیں اہل سنّت کے مستند مشائخ روحانی سے منسوب کر دیا۔

۵) تقیہ کی بدولت عوام اور خواص دونوں کو مدتوں تک مغالطے میں رکھا۔

کامیابی اور غیر معمولی کامیابی اس لئے ہوئی کہ مرید مسلوب الارادہ ہوتا ہے۔ یہاں تک تو ٹھیک ہے کہ مرید اللہ تک پہنچنے کے لئے وہی طریق اختیار کرے جو اس کا شیخ اسے بتائے' جس طرح کسی دنیاوی فن مثلاً موسیقی' مصوری' خطاطی' سنگ تراشی وغیرہ میں کمال حاصل کرنے کے لئے شاگرد وہی طریق کار اختیار کرتا ہے جو اس کا استاد اسے بتاتا ہے' لیکن تصوف کی دنیا میں رفتہ رفتہ ایک غلطی عام ہو گئی جس کی وجہ سے تصوف بھی بدنام ہو گیا اور صوفیوں میں شخصیت پرستی بھی راہ پا گئی۔ وہ غلطی یہ تھی کہ بعض جاہل مریدوں نے یہ سمجھ لیا کہ اس راہ میں مرید کو مسلوب الارادہ ہو جانے کے ساتھ

ساتھ مسلوب العقل بھی ہو جانا چاہئے۔ اسی عقل و فہم سے بے گانہ ہو جانے کا یہ نتیجہ نکلا کہ تصوف کی کتابوں میں اور مشائخ کے ملفوظات میں جو خلافِ شرع اور خلافِ عقل باتیں دشمنانِ اسلام کی تدسیس و تحریف و تدلیس سے داخل ہوگئی ہیں، کوئی شخص نہ ان کی تغلیط و تکذیب کی جرأت کرتا ہے نہ انہیں ان کتابوں سے خارج کرنے کا خیال دل میں لاسکتا ہے۔ یہ ہے وہ تقلید کور یا اندھی عقیدت جس نے تصوف کو بھی بدنام کیا اور مسلمانوں کی عقلی زندگی کو بھی مفلوج کر دیا۔ ع

آہ محکومی و تقلید و زوالِ تحقیق !

گزشتہ بیس سال میں تصوف کی جس قدر کتابیں نظر سے گزریں اکثر و بیشتر کتابوں میں ایسی روایات موجود پائیں جو نہ نقلاً صحیح ہیں نہ عقلاً، بلکہ ان کی لغویت اظہر من الشمس ہے۔ چنانچہ آئندہ اوراق میں اس کی متعدد مثالیں درج کی جائیں گی۔ اس موقع پر میں اس حقیقت کے اظہار سے باز نہیں رہ سکتا کہ دشمنانِ اسلام نے کتب تصوف کے علاوہ مسلمانوں کے مذہبی ادب کے ہر شعبے میں اپنے عقائد شامل کر دیئے ہیں اور اسلام کی تاریخ کو تو خاص طور سے تدسیس و تحریف و تدلیس کا ہدف بنایا ہے۔ (۲۰)

۲۰) سیرۃ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مؤلفہ سید سلیمان ندوی مرحوم، ص ۱۴۲ سے اس کی ایک مثال ذیل میں درج کرتا ہوں:

''بعض شیعی مؤرخوں نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کچھ سپاہیوں کے ساتھ ایک سپید خچر پر سوار ہو کر امام حسنؓ کے جنازے کو روکنے کے لئے نکلیں..... الخ۔ یہ روایت تاریخ طبری کے ایک پرانے (نسخے) فارسی ترجمے میں، جو ہندوستان میں چھپ بھی گیا ہے، نظر سے گزری ہے، لیکن جب اصل متن عربی مطبوعہ یورپ کی طرف رجوع کیا تو جلد ہفتم کا ایک ایک لفظ پڑھنے کے بعد بھی یہ واقعہ نہ ملا۔ طبری کے اس فارسی ترجمے میں درحقیقت بہت سے حذف و اضافے ہیں''۔

میں بھی اسلامی ادب کا پچاس سال سے زائد عرصے تک مطالعہ کرنے کے بعد اسی نتیجے پر پہنچا ہوں کہ قرآن حکیم کو چھوڑ کر دشمنانِ اسلام نے ہر علم و فن کی کتابوں میں خصوصاً تاریخ، حدیث اور تصوف کی کتابوں میں حذف و اضافہ کا مقدس فریضہ سرانجام دیا ہے اور اس کا خاص مقصد صحابہ کرامؓ کی تنقیص و توہین و تحقیر ہے۔ اعوذ باللہ من ھذہ الخرافات۔

اس تمہید کے بعد اب میں تصوف کی مختلف کتابوں سے اپنے دعوے کے ثبوت میں شواہد پیش کرتا ہوں۔

۱) حدیقۃ الحقیقۃ مصنفہ حکیم سنائی غزنوی

فارسی نظم میں تصوف پر قدیم ترین کتاب ہے جو میری نظر سے گزری ہے۔ اس کے دو نسخے میرے پیش نظر ہیں۔ ایک نسخہ مطبوعہ طہران ہے جس پر مدرس رضوی استاد دانش گاہ طہران نے مقدمہ بھی لکھا ہے۔ دوسرا نسخہ لکھنؤ کا چھپا ہوا ہے۔ ذیل میں مقدمۂ مذکورہ سے چند اقتباسات پیش کرتا ہوں:

''سنائی پہلا شاعر ہے جس نے تصوف کے مضامین کو فارسی میں نظم کیا۔ (ص کج) چونکہ اس نے اپنے عقائد کی تفصیل میں دوستیٔ آل علیؑ میں غلو کے علاوہ آل ابوسفیان کے ساتھ دشمنی کا اظہار بھی کیا تھا اس لئے علماء نے اس کی تکفیر کی اور اس کی کتاب کو کتابِ گمراہی قرار دیا اور اس حد تک مخالفت کی کہ بہرام شاہ سلطان غزنوی نے اسے قید کر دیا۔ (ص ل) زمانۂ تصنیف (چھٹی صدی ہجری) سے اب تک اس کتاب میں ''تحریفات وتصرفات فراواں'' ہو چکی ہے (ص لب) مختلف قلمی نسخوں میں اشعار کی تعداد مختلف ہے۔ بعض نسخوں میں پانچ ہزار ابیات ہیں، بعض میں چھ ہزار اور بعض میں دس ہزار ہیں (ص لب)۔ اس کتاب کے دو نسخے ایسے نہیں ملتے ہیں جن میں موافقت ہو۔ اور یہ اختلاف کبھی اس حد تک نظر آتا ہے کہ آدمی حیران رہ جاتا ہے۔ (ص نط) قلمی نسخہ موسومہ ''ی'' میں مناقب امیر المؤمنین علیؑ بن ابی طالب واولادہ الحسنؑ والحسینؑ کا اضافہ کیا گیا ہے۔ (ص ۵۸) قلمی نسخہ موسومہ ''م'' اور بعض دوسرے نسخوں میں فصل ''حرب جمل'' موجود نہیں ہے''۔ (ص ۲۵۵)

مقدمہ نگار مذکور نے حواشی میں صدہا اختلافات کی نشان دہی کی ہے، جنہیں بخوفِ طوالت نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ ایضاحِ مقصد کے لئے یہی دو حوالے کافی ہیں۔ ان سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی سبائی نے مناقب علی واولادہ اور حرب جمل کا اپنی طرف سے اضافہ کر کے سنائی کی شخصیت اور اس کی کتاب دونوں کو محل شک، باعث تقبیح اور موجب لومتہ لائم بنا دیا، یعنی ایک تیر سے تین شکار کئے۔ اس تدسیس وتحریف اور حذف

واضافہ کا نتیجہ یہ نکلا کہ پوری کتاب پایۂ اعتبار سے ساقط ہوگئی۔ اب ہمارے پاس کوئی آلہ یا مقیاس یا معیار ایسا نہیں ہے جس کی بناء پر ہم قطعیت کے ساتھ کوئی حکم لگا سکیں۔ اس کی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے:

جو نسخہ نولکشور پریس لکھنؤ سے ۱۸۸۷ء میں شائع ہوا تھا اس کے ساتھ خواجہ عبداللطیف العباسیؒ کے حواشی بھی ہیں۔ خواجہ صاحب مرحوم اپنے دیباچے میں لکھتے ہیں:

''چونکہ ہندوستان میں ''دو نسخہ باہم موافق یافت نمی شد'' اس لئے نواب محمد عزیز کوکلتاش المقلب بخانِ اعظم نے ۱۰۰۰ھ میں ایک شخص کو غزنی بھیجا کہ وہاں سے صحیح نقل حاصل کرے۔ میں نے یہ نسخہ امیر عبدالرزاق کے پاس اپنے وطن آگرہ میں دیکھا۔ ۱۰۳۷ھ میں اس پر حواشی لکھے۔'' (ملخص از دیباچہ)

خواجہ صاحب مرحوم قبل ازیں مثنوی مولانا روم کے مشکل اشعار کی شرح کر کے علمی دنیا میں شہرت حاصل کر چکے تھے۔ اس شرح کا نام لطائف معنوی ہے اور اس کی قدر و قیمت کا اندازہ اس بات سے ہوسکتا ہے کہ مشہور معاندِ اسلام پروفیسر آر اے نکلسن نے اپنے ترجمہ اور حواشی میں اس شرح سے استفادۂ کلی کیا ہے۔ حدیقہ پر جو حواشی خواجہ صاحب مرحوم نے لکھے ہیں وہ میری رائے میں حرفِ آخر کا حکم رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے بعد کسی کو اس کتاب پر حواشی لکھنے کی ہمت نہ ہوسکی۔ (۲۱)

آمدم برسر مطلب' سنائی نے اس کتاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و ثناء کے بعد حضرات صدیق اکبرؓ' فاروق اعظمؓ اور عثمان غنیؓ کے مناقب لکھے ہیں۔ ان سے یہ ثابت ہوا ہے کہ وہ اہل سنّت میں سے تھا۔ لیکن جب وہ حضرت علیؓ حسنؓ اور حسینؓ کے مناقب لکھتا ہے تو پیروان ابن سباء کا لب ولہجہ اور اندازِ بیان اختیار کر لیتا ہے۔ نیز ان تمام روایات کو بآب وتاب بیان کرتا ہے جو قطعاً وضعی ہیں اور تمام محدثین

---

۲۱) میں نے یہ چند سطور قصداً لکھی ہیں تاکہ خواجہ صاحب مرحوم کا نام نامی تاریخ تصوف کے اوراق میں محفوظ ہو جائے' ورنہ ظاہر ہے کہ جس طرح میرے زمانہ طفولیت میں عربی ختم ہو رہی تھی' اسی طرح ستر سال کے بعد فارسی بھی آخری ہچکیاں لے رہی ہے۔ وہ زمانہ بہت قریب ہے جب اس ملک کے دانشور فارسی ادب سے بھی اسی طرح بے گانہ ہو جائیں گے جس طرح عربی ادب سے ناآشنا ہو چکے ہیں۔

نے انہیں ردّ کر دیا ہے۔ میں بخوف طوالت وہ تمام اشعار تو نقل نہیں کر سکتا، مگر صفحات کا حوالہ ذیل میں درج کئے دیتا ہوں۔

صفحہ ۲۷۱، ۲۷۳، ۲۷۸ تا ۲۹۹، مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ ۱۸۸۷ء۔ لیکن بطورِ نمونہ چند اشعار پیش کرتا ہوں۔

عنوان حربِ جمل کے تحت نولکشوری اور ایرانی دونسخوں میں یہ اشعار مندرج ہیں:

در جمل چوں معاویہؓ بگریخت — خونِ ناحق بسے بخیرہ بریخت
شد ہزیمت بجانب بغداد — گشتہ از فعل زشت خود ناشاد
سرِ اجرارِ حیدرؓ کرار — سرفرازِ مہاجر و انصار
چوں مصافِ معاویہ بشکست — یافت بر لشکر معاویہؓ دست
جمل آں ستیزہ را پے کرد — برگ و سازِ معاویہؓ فے کرد
ہودجِ زن بخاکِ تیرہ فتاد — وز خجالت نقابِ رخ نکشاد!
گفت بد کردہ ام امانم دہ — در ترحم کنوں زمانم دہ
خواند حیدرؓ برادرش رازود — جملہ احوال ہا ورا بنمود
رفت وقتے محمدِ بوبکرؓ — آں ہمہ صدق و فارغ از ہمہ مکر
پس برآہیخت تیغ تا بزند — گفت حیدر مکن، کس ایں نکند
عفو کن تا بسوئے خانہ رود — بعد ازیں کار ہائے بد نکند
بسوئے مکہ زود بفرستاد — در تواضع محل او نہ نہاد

با ہزاراں خجالت و تشویر — رفت زی مکہ جفتِ گرم و زحیر
عاقبت ہم بدست آں باغی — شد شہید و بکشتش آں طاغی
آنکہ باجفت مصطفےٰ زیناں — بد کند، مرورا بمرد مخواں
چوں ازیں گشت فارغ آں بدمرد — قصدِ جانِ امیر حیدر کرد
پسر ہند اگر بدو بدر کرد — آں بدی داں کہ جملہ باخود کرد

میں نے یہ اشعار کلیجے پر پتھر کی سل رکھ کر نقل کئے ہیں، انتہائی مجبوری میں، کیونکہ اگر میں ان ناپاک اشعار کو نقل نہ کرتا تو اپنا دعویٰ ثابت نہ کر سکتا کہ پیروانِ عبداللہ بن

سباء نے جن کی اسلام دشمنی کا اندازہ صرف اس سے ہوسکتا ہے کہ انہوں نے ۳۱۷ھ میں خانہ کعبہ سے حجرِ اسود اکھیڑ کر اپنے پیشوا کے مکان کی دہلیز میں دفن کر دیا تھا تا کہ ہر آنے اور جانے والا اسے پامال کرتا رہے' تصوف کی کتابوں میں حذف و اضافہ کا ''مقدس فریضہ'' انجام دے کر لاکھوں مسلمانوں کی گمراہی کا سامان مہیا کر دیا ہے اور ان کی داخل کردہ روایات مرورِ ایام سے مسلمان صوفیوں کے دماغوں میں اس طرح پیوست ہو چکی ہیں کہ ان کا جدا کرنا کسی انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔ بلکہ نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ اگر کوئی مسلمان مسلمانوں کی مجلس میں ان جھوٹی روایات کو جھوٹا کہہ دے تو تمام سنّی مسلمان اس کو سنگ سار کر دیں گے۔

اب ناظرین ان اشعارِ آبدار کو پڑھ کر خود فیصلہ کر لیں کہ کیا کوئی صحیح العقیدہ سنّی مسلمان اس قسم کے ناپاک اشعار لکھ سکتا ہے؟ لاریب ان اشعار کا کہنے والا دشمن اسلام ہی نہیں ہے بلکہ جاہل بھی ہے۔ اگر یہ اشعار سنائی ہی کے ہیں تو اس کی اسلام دشمنی اور جہالت دونوں باتیں اظہر من الشمس ہیں' اور اگر اس کے نہیں ہیں تو میرا دعویٰ ثابت ہو گیا کہ یہ اشعار کسی دشمن دین سبائی نے اپنی طرف سے کتاب میں داخل کر دیئے ہیں۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ سنائی کی جلالت شان کی بدولت آٹھ سو سال میں کئی لاکھ مسلمانوں کا ایمان تباہ ہوا ہوگا۔ اگر سنائی کو خباثت اور سبائیت سے بری کرنے کے لئے ان اشعار کو الحاقی تسلیم کر لیا جائے تو بھی دشمنان اسلام تو اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے۔ اور چونکہ ان اشعار کو متن کتاب سے حذف کر دینے کا کوئی امکان نہیں ہے اس لئے آبِ زم زم میں یہ ناپاک قطرات بدستور شامل رہیں گے۔

خواجہ عبداللطیف عباسی شارح حدیقہ نے ان اشعار پر یہ حاشیہ لکھا ہے:

''پس بحکم عقل و نقل کہ کتب معتبرہ سیر مثل روضۃ الاحباب وغیرھا آں ناطق است' ثابت و محقق شد کہ ایں داستان و مایتعلق بہادریں کتاب الحاقی است' واز حکیم نیست واللہ اعلم بالصواب''۔ (حاشیہ: ص ۲۸۰)

یہ حقیقت کہ ان اشعار کا مصنف تاریخ سے نا آشنا ہے' یعنی جاہل ہے' ان اشعار سے عیاں ہے۔

۱) ع در جمل چوں معاویہؓ بگریخت: تاریخ اسلام کا ہر واقف جانتا ہے کہ جنگ جمل میں حضرت معاویہؓ قطعاً شریک نہیں ہوئے تھے۔

۲) ع پس برآہیخت تیغ تا بزند: کسی تاریخ میں یہ بات مذکور نہیں ہے کہ محمد بن ابی بکر نے اپنی خواہر محترمہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا۔

۳) ع شد شہید و بکشتش آں طاغی: کسی تاریخ میں یہ بات مرقوم نہیں ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ نے ام المؤمنینؓ کو شہید کیا تھا۔

ان صریح کذب بیانیوں کے علاوہ ان اشعار میں ام المومنینؓ اور حضرت معاویہؓ کی شانِ اقدس میں جو ژاژ خائی اور ہرزہ سرائی کی گئی ہے اس سے صاف طور پر ثابت ہے کہ اس کا مرتکب اللہ، رسول اللہ اور دین اسلام سے کوئی سروکار نہیں رکھتا۔ سیدۃ النساء حضرت عائشہ صدیقہؓ محوائے کلام اللہ سب مسلمانوں کی ماں ہیں۔ اپنی ماں کی توہین کرنے والا اسلام تو درکنار انسانیت ہی سے خارج ہو جاتا ہے۔

آخر میں فیصلہ قارئین پر چھوڑتا ہوں۔ ان کا جی چاہے سنائی کو دائرۂ انسانیت سے خارج کر دیں، یا پھر ان ہفوات کو کسی دشمن اسلام کی خباثت قلبی کا مظاہرہ یقین کر کے الحاقی قرار دیں۔ میں بذاتِ خود ان اشعار کو الحاقی یقین کرتا ہوں۔

۲) فوائد الفوائد ملفوظات خواجہ نظام الدین اولیاءؒ

منہاج سراج نے اپنی مشہور تاریخ موسومہ طبقات ناصری میں صفحہ ۹۸ پر سلطانہ رضیہ بنت التمش کے عہد حکومت کے واقعات میں لکھا ہے:

> ''۶۳۴ھ میں نور ترک قرمطی نے ملتان سے نقل مکانی کر کے دہلی میں ایک خانقاہ قائم کی۔ اپنے آپ کو صوفی ظاہر کر کے بہت سے مسلمانوں کو اپنا معتقد بنا لیا۔ رفتہ رفتہ گجرات اور سندھ کے بہت سے قرمطی اس خانقاہ میں جمع ہو گئے۔ نور ترک نے اپنی خانقاہ میں وعظ و تلقین و ہدایت کا سلسلہ شروع کیا۔ وہ اپنی تقریروں میں سنی علماء کو ناصبی کہتا تھا اور عوام کو ابو حنیفہؒ کے مذہب سے متنفر کرتا تھا۔ جب عوام پر اس کا مذہبی اقتدار قائم ہو گیا تو ۶ رجب ۶۳۴ھ کو جمعہ کے دن ان قرامطہ نے جامع مسجد میں داخل ہو کر نہتے مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا،

مگر انجام کار شاہی فوج نے ان کو مغلوب کر کے تہ تیغ کر دیا۔''

قاضی منہاج کی یہ شہادت ہم عصرانہ ہے' اس لئے یقینی طور پر صحیح ہے۔ اس سے ثابت ہے کہ نور ترک ایک قرمطی داعی تھا۔ لیکن شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اپنی تصنیف اخبار الاخیار میں جو اس واقعے کے چار سو برس بعد لکھی گئی' یہ لکھا ہے:

''اگر چہ قاضی منہاج نے طبقات ناصری میں اس شخص کا ذکر اس انداز سے کیا ہے کہ اس سے تشنیع مذہب لازم آتی ہے' مگر فوائد الفوائد میں یہ مذکور ہے کہ شیخ نظام الدین اولیاء قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ اگر چہ بعض علماء نے اس کی مذمت کی ہے مگر وہ ''از آب آسماں پاکیزہ تر بود''۔

فوائد الفوائد کے اس ایک جملے سے نور ترک قرمطی زمانہ مابعد کے صوفیوں کی نظر میں آسمان کے پانی سے بھی پاکیزہ تر بن گیا۔ کیونکہ کسی صوفی میں یہ اَخلاقی جرأت نہیں ہے کہ وہ یہ کہہ سکے کہ یہ فقرہ الحاقی ہے اور کسی قرمطی نے اپنی طرف سے ملفوظاتِ شیخ میں اضافہ کر کے اسے سلطان المشائخ سے منسوب کر دیا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہی ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ایک معتبر معاصرانہ شہادت بہر حال لائق تسلیم ہے۔

ملفوظات بہر حال ملفوظات ہی ہیں' انہیں استناد کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔ قاضی منہاج صاف لکھتے ہیں کہ وہ قرمطی تھا اور اس کی خانقاہ میں بہت سے قرمطی سکونت پذیر تھے۔ اس لئے ثابت ہوا کہ وہ آبِ آسمان سے پاکیزہ تر نہیں ہے۔ لہذا یہ جملہ سلطان المشائخ کا نہیں ہے' کسی نے ان سے منسوب کر دیا ہے۔

اب رہی یہ بات کہ ملفوظات کے مجموعے از اوّل تا آخر لائق اعتماد ہیں' ہرگز صحیح نہیں ہے۔ میں اس جگہ صرف ایک مثال پر اکتفا کرتا ہوں۔ مزید مثالیں اپنے موقع پر درج کی جائیں گی۔

سلطان المشائخ نے اپنے مرشد شیخ فرید الدین گنج شکر اجودھنی کے ملفوظات کو راحۃ القلوب کے نام سے مرتب کیا تھا۔ میرے پیش نظر اس کا جو نسخہ ہے وہ ۱۳۰۹ھ میں طبع ہوا تھا۔ اس کے صفحہ ۸۵ پر یہ ''ملفوظ'' درج ہے جس کا اردو ترجمہ میں بقائمی ہوش وحواس ذیل میں نقل کرتا ہوں:

''ایک دن آنحضرت ﷺ باجمیع صحابۂ کبار بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یزید پلید کو اپنے کاندھے پر بٹھائے سامنے سے گزرے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے اور کہا ''سبحان اللہ' ایک دوزخی ایک بہشتی (جنتی) کے کاندھے پر سوار ہو کر جا رہا ہے''۔ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے یہ بات سن کر کہا: یا رسول اللہ! یہ تو معاویہ کا بیٹا ہے' دوزخی از کجا است؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''یا علی یہ یزید بدبخت وہ ہے جو حسن اور حسین اور میری تمام آل کو شہید کرے گا''۔ یہ سن کر علیؓ کھڑے ہو گئے۔ تلوار نیام سے نکالی کہ ایشاں را بکشد۔ مگر آنحضرت ﷺ مانع ہوئے کہ: ''اے علی! ایسا مت کر کہ اللہ کی تقدیر یہی فیصلہ کر چکی ہے''۔ یہ سن کر علیؓ رونے لگے اور پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ! آپ اُس وقت ہمارے سر پر (زندہ) ہوں گے؟ فرمایا: ''نہیں''۔ پھر پوچھا: یاروں میں سے کوئی زندہ ہوگا؟..... (لفظ پڑھا نہ جا سکا) پھر پوچھا: میں زندہ ہوں گا؟ کہا: ''نہیں''۔ پھر پوچھا: فاطمہ ہوں گی؟ کہا: ''نہیں''۔ پھر پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! میرے غریبوں کا ماتم کون کرے گا؟ جواب دیا: ''میرے امتی''۔ اس کے بعد علیؓ اور رسولِ خدا ﷺ دونوں روئے اور شہزادوں کو سینے سے لگا کر بآواز بلند کہا: اے غریبو! ہم نہیں جانتے کہ اس دشت میں تمہارا کیا حال ہوگا''۔ (انتہیٰ بلفظہ)

تنقید و تبصرہ سے پہلے ناظرین اس بات پر غور کریں کہ اس روایت کا ناقل کون ہے! سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاؒ۔ وہ کس سے نقل کر رہے ہیں؟ اپنے پیر و مرشد شیخ المشائخ حضرت فرید الدین گنج شکرؒ سے۔ اب وہ کون سا چشتی ہوگا جسے ان خرافات کی صحت میں شک ہو سکتا ہے؟ لیکن حقیقت یہی ہے کہ یہ روایت از اوّل تا آخر کذب و افتراء اور بہتان ہے۔ کیونکہ:

(ا) آنحضرت ﷺ کی وفات بلا شک و شبہ ۱۱ھ میں ہو گئی تھی۔

(ب) امیر یزیدؒ کی ولادت ۲۶ھ میں ہوئی تھی۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ افسانہ سراسر جھوٹا ہے۔ کسی سبائی نے یہ لغو اور من گھڑت داستان ملفوظات میں شامل کر دی ہے' تاکہ مسلمان بالعموم اور چشتی افراد بالخصوص اس

شخص کو دوزخی یقین کرلیں جس کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے یہ بشارت دی تھی کہ ''پہلا لشکر جو قیصر روم کے شہر پر حملہ آور ہوگا' مغفور ہے''۔

ظاہر ہے کہ یہ بشارت آپ ﷺ نے وحی الٰہی کی بناء پر دی تھی' اس لئے اس کی صداقت پر کوئی شک نہیں ہے۔ اب سنئے کہ جس لشکر نے سب سے پہلے قیصر کے شہر پر حملہ کیا تھا اس کی قیادت امیر یزید نے کی تھی اور حضرت حسینؓ کے علاوہ بہت سے صحابہؓ نے اسی لئے باشتیاقِ تمام اس جہاد میں شرکت کی تھی کہ حضور انور ﷺ نے مجاہدین کے جنتی ہونے کی بشارت دے دی تھی۔ دیگر صحابہؓ کے ساتھ حضرت حسینؓ نے بھی اسی شخص کی اقتداء میں نمازیں پڑھی تھیں' جسے مسلمان کہلانے والے ''دوزخی'' سمجھتے ہیں۔ کیا خدا کی شان ہے! جسے حضور ﷺ مغفور قرار دیں آپؐ کے نام لیوا اسے ملعون کہتے نہیں تھکتے۔

خیر یہ تو ایک سخن گسترانہ بات تھی۔ میں نے اپنا دعویٰ ثابت کر دیا کہ جو ملفوظات بزرگانِ دین سے منسوب ہیں وہ کلیۃً قابل اعتماد نہیں ہیں۔ ان میں سبائیوں نے جھوٹی روایات اپنی طرف سے داخل کر دی ہیں۔

۳) جامی پر دست درازی

سنائی' عطار اور رومیؒ کے بعد صوفیانہ ادب میں جامی کا نام معروف ترین ہے۔ (۲۲) جیسا کہ ہر طالب علم جانتا ہے جامی سلسلہ عالیہ نقشبندیہ سے وابستہ ہیں' یہ سلسلہ افضل الصحابہؓ بلکہ افضل البشر بعد الانبیاء' وارثِ کمالات نبوت' متمکن ذروۂ ولایت' ثانی اسلام و غار و بدر و قبر خلیفۂ رسول بلافصل' امیر المؤمنین قدوۃ الصدیقین سیدنا و مولانا حضرت ابوبکر الملقب بصدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر منتہی ہوتا ہے۔ جامی نے سب سے پہلے مولانا سعد الدین کاشغری نقشبندیؒ کے ہاتھ پر بیعت کی اور ان کی وفات ۸۶۰ھ کے بعد خواجہ ناصر الدین الملقب بخواجۂ احرار ۸۹۵ھ سے رشتۂ ارادت استوار کیا اور باقاعدہ سلوک طے کر کے وہ مقام حاصل کیا کہ ان کا شمار سلسلہ

---

۲۲) در دلہائے بستہ را کشاید دو بیت از پیر رومی یا ز جامی (اقبال)

نقشبندیہ کے مشائخ میں ہوتا ہے۔ تمام تذکرہ نویسوں نے انہیں اہل سنّت میں شمار کیا ہے۔ انہوں نے اپنی اکثر تصانیف میں خلفاء اربعہ کی مدح کی ہے۔ مثلاً:

یکے ثانی اثنین در کنج غار — کہ چوں مار شد ناوکِ جاں شکار
دوم آنکہ از سکۂ عدلِ اوست — کزیں گونہ دنیا و دین سرخ روست
سوم شرم گیتی کہ شد بے قصور — ز شمع نبوت نصیبش دو نور
چہارم کہ آں ابر در یا نثار — غمِ او کرمؑ برقِ او ذوالفقار

(مثنوی خردنامۂ اسکندری)

وز میانِ ہمہ نبود حقیق — بخلافت کسے بہ از صدیقؓ
وز پئے او نبود ازاں احرار — کس چو فاروقؓ لائقِ ایں کار
بعد فاروقؓ جز بذی النورینؓ — کارِ ملت نیافت زینت و زین
بود بعد از ہمہ بعلم و وفا — اسدؓ اللہ خاتم الخلفاء
لعن کز رافضی شود واقع — شود آں لعن ہم بدو راجع

(سلسلۃ الذہب)

آں چار ستون خانۂ دیں — واں چار چراغِ بزم تمکین
ہر یک بخلافت سزاوار — ہر چار یکے و ہر یکے چار
ایشاں بہ یگانگی بہم راست — بیگانگی از فضول ماخاست

(لیلیٰ مجنوں)

لیکن ان تصریحات کے باوجود بعض لوگوں نے ان کو مائل بہ تشیع قرار دیا ہے اور بعضوں نے ان کو اہل تقیہ میں شمار کیا ہے۔ چنانچہ محمد حسین الحسینی خاتون آبادی لکھتا ہے:

''ان تمام دلائل کے باوجود جو ان کے ناصبی ہونے پر شاہد ہیں، ہم ان کو اہل تقیہ میں شمار کر سکتے ہیں، یعنی وہ دل میں شیعہ تھے مگر زبان وقلم سے اپنے آپ کو سنّی ظاہر کرتے تھے''۔

پھر اپنے مدعا کی تائید میں اس نے یہ حکایت نقل کی ہے جس کا راوی علی بن عبدالعال ہے۔ وہ کہتا ہے:

''میں سفر نجف میں جامی کے ساتھ تھا۔ میں نے تقیہ کر کے اپنے عقائد کو ان سے پوشیدہ رکھا تھا۔ جب ہم بغداد پہنچے تو ایک دن لب دجلہ تفریح کے لئے گئے۔ اتفاقاً ایک قلندر وہاں آ نکلا اور امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی شان میں ایک قصیدہ غرا سنانا شروع کیا۔ جامی پر رقت طاری ہوگئی اور سر بسجود ہو گئے' پھر سر اٹھایا' قلندر کو پاس بلایا اور بہت انعام دیا۔ اس کے بعد مجھ سے پوچھا: ''تم نے مجھ سے گریہ اور سجدے کا سبب کیوں نہیں پوچھا؟'' میں نے کہا: ''اس کا سبب آشکار تھا' کیونکہ علی خلیفۂ چہارم ہیں اور ان کی تعظیم واجب ہے''۔ یہ سن کر جامی نے کہا: ''علی خلیفۂ چہارم نہیں ہیں' بلکہ پہلے خلیفہ ہیں۔ اب مناسب ہے کہ میں تقیہ کا لبادہ اتار دوں۔ اور چونکہ ہمارے درمیان مودّت پیدا ہو چکی ہے اس لئے میں تمہیں بتاتا ہوں کہ میں شیعانِ خلص امامیہ میں سے ہوں' لیکن تقیہ کرنا واجب ہے''۔ نیز بعضے از افاضل ثقات نے بیان کیا ہے کہ ہم نے جامی کے خدام سے یہ سنا ہے کہ ان کے تمام اہل بیت مذہب امامیہ رکھتے تھے' لیکن مولانا تقیہ میں بہت مبالغہ فرماتے تھے اور ہمیشہ اپنے اہل و عشیرت کو اس کی وصیت کرتے رہتے تھے''۔

یہ فسانۂ عجائب نقل کرنے کے بعد کلیاتِ جامی کا مقدمہ نگار لکھتا ہے کہ:

''جو کچھ اوپر بیان کیا گیا ہے اس سے تمائل نسبت بشیعہ امامیہ تو ثابت ہوتا ہے لیکن یہ تمام دلائل بہت سست پایہ ہیں' کیونکہ جامی نے صاف لفظوں میں ابو طالب کو کافر قرار دیا ہے''۔

بعضوں نے کہا ہے کہ جامی شروع میں سنّی تھے مگر آخری عمر میں شیعہ ہو گئے تھے۔ مقدمہ نگار (ہاشم رضی) لکھتا ہے کہ ''یہ بات بھی غلط ہے' کیونکہ خردنامہ اسکندری آخری عمر میں لکھی تھی مگر اس میں بھی انہوں نے خلفائے اربعہ کی مدح کی ہے''۔ یہی مقدمہ نگار صفحہ ۱۹۸ پر پھر لکھتا ہے کہ ''چونکہ جامی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مدح میں قصائد لکھے ہیں اور بعض غزلوں میں بھی ان کی توصیف کی ہے اس لئے بعض لوگوں نے انہیں روش امامیہ اور تشیع سے منسوب کر دیا ہے''۔

خلاصۂ کلام ایں کہ جامی کے بارے میں حسبِ ذیل خیالات ظاہر کئے گئے ہیں۔

۱) بعض انہیں سنّی کہتے ہیں اور سنّی بھی نقشبندی۔
۲) بعض نے انہیں مائل بہ تشیع لکھا ہے۔
۳) بعض کا خیال ہے کہ وہ ساری عمر تقیہ فرماتے رہے۔
۴) بعض کا خیال ہے کہ شروع میں سنّی تھے لیکن قبل وفات شیعہ ہو گئے تھے۔

فتنہ پردازوں نے یہ اتہامات اس شخص پر لگائے ہیں جس نے سلسلۃ الذہب میں صاف طور پر لکھا ہے:

بود بو طالب آں تہی ز طلب　　مر نبیؐ را عم و علیؓ را اب
خویش و نزدیک بود با ایشاں　　نسبت دیں نیافت با خویشاں
ہیچ سودے نداشت آں نسبش　　شد مقر در سقر چو بولہبش!

انہی اشعار کی پاداش میں بقول مقدمہ نگار ''شاہ اسماعیل صفوی ہنگام تسخیر بلدۂ ہرات بنا بر تعصب مذہب قبر مولوی را منہدم ساخت'' ص ۱۹۳

اس کے باوجود ارباب کیس نے ان کے مذہبی عقائد کو عامۃ المسلمین کی نظروں میں اور کچھ نہیں تو مشتبہ اور محل بحث و نزاع یقیناً بنا دیا ہے۔

باطل پرستوں نے ایک جھوٹی روایت بھی تصنیف کر دی کہ سفر نجف میں انہوں نے اپنے ہم سفر سے اپنے شیعہ ہونے کا اقرار کیا تھا۔ یہ روایت بالکل لغو اور بے اصل و بے سند ہے۔ مگر یہ طائفہ ضالہ بخوبی واقف ہے کہ عوام نہ تنقید کی صلاحیت رکھتے ہیں اور نہ انہیں تنقید کی فرصت ہوتی ہے۔

جامی کے بارے میں جو کچھ میں نے لکھا ہے یہ سب کلیاتِ جامی کے مقدمے سے ماخوذ ہے جو ہاشم رضا ایرانی نے لکھا ہے (ص ۸۶ تا ۹۶ و ۱۹۱ تا ۱۹۷)

میرا مقصد اس بحث سے یہ واضح کرنا ہے کہ سبائیہ باطنیہ اور دشمنانِ صحابہؓ نے مشہور صوفیوں کے عقائد میں دیدہ و دانستہ ایسے شبہات پیدا کر دیئے ہیں جن سے ان کے عقیدت مندوں کے قلوب میں یہ خیال پیدا ہو جائے کہ وہ یا تو تقیہ کرتے تھے یا مائل بہ تشیع تھے' اور اس طرح انہیں ان کے آبائی مذہب سے برگشتہ کرنا آسان ہو جائے گا۔ (اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ قدرتی طور پر ان کا میلان بھی تشیع کی طرف ہو جائے گا) راقم

الحروف کے استنتاج کی بحث تاریخی شواہد سے پایۂ ثبوت کو پہنچ سکتی ہے۔ پاکستان کے اکثر و بیشتر سنّی بزرگوں کے مزاروں کے سجادہ نشین اور متولی مذہب امامیہ اختیار کر چکے ہیں اور اپنے بزرگوں کے جاہل عقیدت مندوں سے یہ کہتے ہیں کہ یہ حضرات بھی امامیہ مذہب ہی کے پیرو تھے۔ کیا طرفہ تماشا ہے! صاحب مزار سنّی تھا لیکن آج اس کا سجادہ نشین یا متولی شیعہ ہے۔ لاریب یہ اسی طریق کار کا ثمر شیریں ہے جو اس جماعت نے ایک ہزار برس سے اختیار کر رکھا ہے کہ جس طرح ہو سکے صوفیوں کو مسلک امامیہ کا پیرو ثابت کرو تا کہ عوام بھی اپنے پیشواؤں کے مذہب کی طرف مائل ہو سکیں۔

۴) رومی کے دیوان اور ملفوظات میں الحاق

رومی کی مثنوی میں جہاں تک میری معلومات ہیں' سبائیہ اور قرامطہ نے تدسیس نہیں کی لیکن اس کے دیوان میں چند غزلیات اپنی طرف سے ضرور داخل کر دی ہیں اور ان کے ملفوظات میں بھی ایک روایت ایسی درج کر دی ہے جو رومی ہرگز بیان نہیں کر سکتے تھے۔ اس وقت میرے پیش نظر فیہ مافیہ کا انگریزی ترجمہ ہے۔ اس میں صفحہ ۹۹ پر یہ روایت رومی سے منسوب ہے پڑھئے اور سر دھنئے:

> ''نقل ہے کہ ایک شب آنحضرت ﷺ اپنے صحابہؓ کے ساتھ کسی غزوے سے واپس آئے تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ ''ببانگ دہل اعلان کر دو کہ آج کی رات ہم شہر کے دروازے کے پاس بسر کریں گے اور کل صبح شہر میں داخل ہوں گے۔'' یہ سن کر صحابہؓ نے سبب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا ''یہ ہو سکتا ہے کہ تم اپنی بیویوں کو اجنبی لوگوں کے ساتھ مباشرت میں مشغول پاؤ اور یہ دیکھ کر تمہیں بہت صدمہ ہوگا اور ایک ہنگامہ برپا ہو جائے گا''۔ لیکن ایک صحابی نے حضورؐ کے ارشاد پر عمل نہ کیا' وہ اپنے گھر چلے گئے' چنانچہ انہوں نے اپنی بیوی کو ایک غیر مرد کے ساتھ مشغول پایا۔''

اس لغو روایت پر تنقید کرنے کو دل نہیں چاہتا' تاہم دل پر جبر کر کے اتنا لکھنا ضروری ہے کہ یہ روایت کسی سبائی کے خبث باطنی کی مظہر ہے۔ اس نے آنحضرت ﷺ کی نبوت کو بھی ختم کر کے اپنی اسلام دشمنی کا پورا ثبوت بہم پہنچا دیا ہے۔

ا) اگر چہ آنحضرت ﷺ کو بذریعہ علم غیب معلوم ہو چکا تھا کہ صحابہؓ کی بیویاں غیروں سے زنا کرا رہی ہیں اس کے باوجود آپؐ نے چشم پوشی فرمائی اور اس فعل شنیع کو گوارا کرلیا۔ سبحان اللہ! راوی نے رسول اللہ کی سیرت کا کتنا بلند نقشہ کھینچا ہے!

ب) بعض صحابہؓ نافرمان بھی تھے، یعنی رسول اللہ ﷺ مؤمنوں اور منافقوں میں ساری عمر امتیاز نہ کر سکے۔

ج) بعض صحابہؓ کی بیویاں زنا کار تھیں۔

د) رسولؐ کی سیرت اور تعلیم کا صحابہؓ پر کوئی اثر مرتب نہیں تھا۔

ہ) رومی اس قدر غیر محتاط تھے کہ بلا تحقیق لغو اور بے سروپا روایات اپنی مجلسوں میں بیان کرتے رہتے تھے، کیونکہ نہ تو انہوں نے یہ بتایا کہ اس خرافات کا واضع کون ہے اور نہ یہ بتایا کہ وہ غزوہ کون سا تھا؟ اور نہ یہ بتایا کہ یہ روایت انہوں نے حدیث یا سیرت یا مغازی کی کون سی کتاب میں پڑھی تھی۔

غور کیا کہ اس خبیث سبائی نے ایک تیر سے کتنے شکار کئے! طرفہ تماشا یہ ہے کہ یہ روایت جو ہفوات کا بدترین نمونہ ہے، صدیوں سے کتاب میں نقل ہوتی چلی آ رہی ہے، کسی مسلمان کو یہ توفیق نہیں ہوئی کہ اسے جعلی قرار دے کر کتاب سے خارج کر دیتا۔

دراصل یہ نتیجہ ہے شخصیت پرستی اور تقلید کور کا۔ جو کتاب بھی یا جو شعر بھی کسی ولی اللہ یا امام سے منسوب ہو جائے، کسی مسلمان میں اس پر تنقید کی جرأت نہیں ہو سکتی۔ تصوف یا فقہ کا یہی وہ پہلو ہے جس کی وجہ سے رفتہ رفتہ مسلمانوں میں ذوقِ تحقیق ہی ختم ہو گیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کی علمی ترقی رک گئی۔ وہ آج بھی اسی مقام پر ہیں جہاں نویں صدی میں تھے۔ ع

نہ اٹھا پھر کوئی رومی عجم کے لالہ زاروں سے!

۵) شیخ محی الدین ابنِ عربیؒ پر ظلم

شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ جیسا کہ فتوحات مکیہ کے مطالعے سے معلوم ہو سکتا ہے، نہایت راسخ العقیدہ اور متبع شریعت بزرگ تھے۔ فتوحاتِ مکیہ کے پہلے باب میں

انہوں نے تین وصل قائم کئے ہیں اور پہلے وصل میں اپنا عقیدہ بیان کیا ہے۔ اسے غور سے پڑھا جائے تو یہ معلوم ہوگا کہ عقائد نسفی کی شرح پڑھ رہے ہیں۔ انہوں نے سرمو اشاعرہ کے مسلک سے انحراف نہیں کیا ہے۔ چونکہ اس تاریخ میں ان کا مفصل تذکرہ لکھوں گا اس لئے اس جگہ صرف اس بات پر اکتفا کرتا ہوں کہ ان کی تصانیف میں بھی سبائیہ اور قرامطہ نے تدسیس کی ہے۔ چنانچہ امام شعرانی اپنی تصنیف ''الیواقیت والجواہر'' صفحہ ۷، مطبوعہ مصر ۱۳۵۱ھ پر لکھتے ہیں:

''حضرت شیخؒ کتاب اور سنّت کے پابند تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص ایک لحظے کے لئے بھی میزانِ شرع کو اپنے ہاتھ سے پھینک دے گا وہ یقیناً ہلاک ہو جائے گا۔ ان کی تصانیف میں جو عبارتیں ظاہر شریعت سے معارض ہیں وہ سب مدسوس ہیں (دوسروں نے داخل کر دی ہیں) مجھے اس حقیقت سے سیّدی ابوالطاہر المغربی نے آگاہ کیا جو اُس وقت مکہ معظمہ میں مقیم تھے۔ انہوں نے مجھے فتوحات کا وہ نسخہ دکھایا جس کا مقابلہ انہوں نے قونیہ میں شیخ اکبر کے ہاتھ کے لکھے ہوئے نسخے سے کیا تھا۔ اس نسخے میں وہ فقرے نہیں تھے جو میرے نسخے میں تھے اور میں نے ان فقروں میں توقف (ان کی صحت میں شک) کیا تھا جب میں فتوحات کا اختصار کر رہا تھا۔''

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ:

''ان ملاحدہ اور زنادقہ (قرامطہ وسبائیہ) نے سب سے پہلے امام احمد بن حنبلؒ اور اس کے بعد علامہ مجدالدین فیروز آبادی اور امام غزالی کی تصانیف خصوصاً احیاء العلوم میں تدسیس کی ہے۔''

اس کے بعد لکھتے ہیں:

''اس فرقہ باطنیہ کی جسارت کا یہ عالم ہے کہ اس فرقے کے ایک شخص نے ایک کتاب لکھ کر میری طرف منسوب کر دی اور تین سال تک یہ کتاب میری زندگی میں متداول رہی۔''

پھر لکھتے ہیں کہ:

زنادقہ نے امام احمد بن حنبلؒ کے مرض الموت کے زمانے میں ایک کتاب جس

میں اپنے باطنی عقائد بیان کئے تھے' پوشیدہ طور پر (ان کا شاگرد بن کر) ان کے سرہانے (تکیے) کے نیچے رکھ دی تھی۔ اور اگر امام مرحوم کے تلامذہ ان کے عقائد سے بخوبی واقف نہ ہوتے تو جو کچھ انہوں نے مرحوم کے تکیے کے نیچے پایا تھا' اس کی وجہ سے وہ لوگ بہت بڑے فتنے میں مبتلا ہو جاتے۔''

۶) بعض دوسری مثالیں

سبائیہ اور قرامطہ نے صوفیوں کی تصانیف میں تدسیس کے علاوہ اپنی تصانیف نظم ونثر میں ان میں سے بعض کو اپنی جماعت کا فرد ظاہر کر کے اہل سنت کی نگاہوں میں ان کی دینی حیثیت کو مشکوک اور محل نظر بنا دیا۔ بخوف طوالت صرف ایک مثال پر اکتفا کرتا ہوں۔

خواجہ عبداللہ انصاری ہروی جو منازل السائرین کے مؤلف ہیں' پانچویں صدی کے مشاہیر صوفیوں میں سے ہیں۔ لیکن ایک اسمٰعیلی شاعر نے اپنے دیوان میں ان کی مدح کی ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ادارۂ نشریات اسمٰعیلیہ بمبئی نے غالباً ۱۹۳۵ء میں خاکی خراسانی اسمٰعیلی کا دیوان شائع کیا تھا جسے پروفیسر آئی وینانف (Ivanow) نے مرتب کیا ہے۔ پروفیسر مذکور اپنے مقدمے میں لکھتا ہے:

''اگرچہ اسمٰعیلی دعاۃ کو بہت ستایا گیا مگر ان کی دعوت کا تصوف پر بہت اثر مرتب ہوا اور تصوف عرصہ دراز تک ان کے خیالات سے فیض یاب ہوتا رہا۔''

اس کی وجہ یہ ہے کہ اسمٰعیلی دعاۃ نے اپنے خیالات کی اشاعت کے لئے تصوف کو آلۂ کار بنایا' یعنی صوفیوں کے لباس میں اپنے عقائد کی اشاعت کی۔ اب میں خاکی کے دو شعر نقل کرتا ہوں۔ ع

طوطی ام شہ مرا بود مرأت　　شکرم از دکانِ عطار است
ژندہ پیل احمد است قبلۂ ما　　خواجہ عبداللہ کہ ز انصار است

ان دو شعروں سے تینوں صوفیوں کی مذہبی حیثیت مشکوک ہو گئی۔ اب دو ہی صورتیں ممکن ہیں۔ یا تو عطار احمد' ژندہ پیل اور عبداللہ انصاری یہ تینوں دراصل باطنی تھے' جنہوں نے سنّی بن کر مسلمانوں کو گمراہ کیا یا خاکی نے ان کی حیثیت کو مشتبہ کرنے کی

غرض سے اپنا ممدوح اور زندہ پیل کو اپنا قبلہ بنالیا۔

پروفیسر مذکور اپنے ایک مضمون میں جو رائل ایشیاٹک سوسائٹی شاخ بمبئی کے جرنل ۱۹۳۲ء میں شائع ہوا تھا' صفحہ ۶۹ پر لکھا ہے:

''اسمٰعیلیہ نے اپنے شیعی تصوف کی خصوصیات کو بہرحال برقرار رکھا۔ انہوں نے ادبیاتِ تصوف کا بڑے ذوق سے مطالعہ کیا مگر اس کی شرح اپنے مخصوص عقائد کی روشنی میں لکھی۔''

یعنی باطنیہ نے سنّی صوفیہ کی تصانیف کی شرح اپنے زاویہ نگاہ سے لکھ کر اہل سنّت کو ورطۂ ضلالت میں غرق کر دیا۔ ان تصریحات سے میرا دعویٰ پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا کہ باطنیہ اور قرامطہ اور اسمٰعیلیہ حضرات نے تصوف کا لبادہ اوڑھ کر اپنے عقائد مسلمانوں میں شائع کر دیئے۔ چونکہ بعد میں آنے والے صوفیوں نے اسلاف پر تنقید کو سوءادب سمجھا اس لئے قرامطہ کے عقائد کو من وعن صحیح تسلیم کر لیا اور رفتہ رفتہ ان (باطنیہ) کے ہم عقیدہ بن گئے۔

اس طرح غیر اسلامی عقائد چوتھی صدی ہجری سے مسلمانوں میں مقبول ہو گئے۔ چنانچہ ابونصر سراج اپنی تصنیف کتاب اللمع میں لکھتے ہیں:

''بغداد کے بعض صوفیہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ جب سالک کی ذاتی صفات فنا ہو جاتی ہیں تو وہ صفاتِ ایزدی میں داخل ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ عقیدہ صحیح نہیں ہے' کیونکہ اس سے حلول کا دروازہ کھل جاتا ہے اور یہ عقیدہ کفر ہے۔''

شمس الدین افلاکی نے جو چلپی عارف کے مرید اور رومی کے ہم نشین تھے' ایک کتاب لکھی تھی جس کا نام مناقب العارفین ہے۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ احمدی پریس رامپور (یوپی) سے ۱۹۲۱ء میں شائع ہوا تھا۔ اس کتاب سے دو قصّے نقل کرتا ہوں جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے طلسم ہوشربا سے بھی بڑھ کر ہیں۔ پڑھئے اور دشمنانِ اسلام کی چیرہ دستی کا ماتم کیجئے!

صفحہ ۲۴۱ پر لکھتا ہے:

:''ایک دن کرا خاتون زوجہ مولانا رومی کے دل میں خیال آیا کہ مولانا ایک

عرصے سے میری جانب ملتفت نہیں ہیں' خدا معلوم شہوانی جذبات باقی ہیں یا بالکل فنا ہو گئے ہیں (مولانا کو بذریعۂ کشف اُن کا یہ خیال معلوم ہو گیا) رات کو مولانا ان کے پاس گئے۔ جذباتِ شہوانی کا یہ عالم تھا کہ کراخاتون پریشان ہو کر استغفار پڑھنے لگیں۔ مولانا نے ستر بار جماع کیا' پھر فرمایا ''مردانِ خدا ہر شے پر قادر ہیں۔ ترک یا قلت مباشرت کا باعث استغراق ہے۔''

اس کے بعد جو روایت درج ہے اسے پڑھنے سے پہلے کلیجے کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیجئے' مبادا شق ہو جائے۔

''پھر فرمایا کہ آنحضرت ﷺ اور ان کی ایک زوجہ میں بھی یہی معاملہ ہوا تھا۔ ایک دن انہوں نے ایک چڑے کو چڑیا کے ساتھ جفت ہوتے دیکھ کر بطور مطائبہ آپ سے کچھ کہا۔ چنانچہ بوقت شب آپ نے ان سے نوے بار قربت فرمائی۔ اس کے بعد فرمایا: ''ہم نے خود لذاتِ دنیا کو ترک کر دیا ہے' ورنہ یہاں کچھ کمی نہیں ہے۔''

صفحہ ۲۵۹ پر یہ روایت درج ہے:

''مولانا رومی نے فرمایا کہ ایک دن آنحضرت ﷺ نے کچھ اسرار حضرت علیؓ کو خلوت میں تعلیم فرمائے اور وصیت کی کہ نامحرم سے بیان نہ کرنا۔ حضرت علیؓ نے چالیس روز تک ضبط کیا۔ اس کے بعد ان کا پیٹ حاملہ عورت کی طرح پھول گیا۔ مجبوراً صحرا میں جا کر ایک کنویں میں منہ لٹکایا اور سب اسرار بیان کر دیئے۔ چند روز کے بعد اس کنویں سے نے کا ایک درخت نکلا۔ ایک چرواہے نے اس سے نے (بانسری) بنائی۔ اتفاقاً آنحضرت ﷺ نے اس نے کی آواز سنی تو اسے بلایا اور سن کر فرمایا: ''اس نے سے ان اسرار کی شرح نمایاں ہے جو ہم نے حضرت علیؓ کو تلقین کئے تھے۔''

میرا خیال ہے کہ یہ قصے محتاجِ تنقید نہیں ہیں۔ ان کی لغویت خود شاہد ہے کہ انہیں کسی دشمنِ اسلام نے مناقب العارفین میں داخل کر دیا ہے۔

امام شعرانی کی تصنیف الطبقات الکبریٰ کے اردو ترجمے میں صفحہ ۴۶۸ پر یہ روایت درج ہے:

''بضمن ظاہر و باطن عارف علی ابن ابی طالب اسی طرح اٹھائے گئے ہیں جس طرح عیسیٰ اور عیسیٰ کی طرح عنقریب نازل ہوں گے'' میں (استاد سیّد علی فرزند سیّد محمد وفا) کہتا ہوں کہ سید علی خواص بھی اس کے قائل تھے۔ چنانچہ میں نے ان کو کہتے سنا کہ نوح نے کشتی میں سے ایک تختہ علی کے نام اٹھا کر رکھا (نوح کو خدا نے بتا دیا تھا) وہ تختہ محفوظ رہا۔ چنانچہ علی اسی تختے پر اٹھائے گئے۔ واللہ اعلم بالصواب۔''

اس روایت کا مضمون خود بتا رہا ہے کہ یہ کسی ایسے شخص کی موضوعہ ہے جو حضرت علیؓ کے رفع سماوی کا عقیدہ رکھتا تھا اور تاریخ سے ثابت ہے کہ یہ عقیدہ سب سے پہلے عبداللہ بن سبا نے شائع کیا تھا۔

ان دشمنانِ اسلام نے صرف تصوف ہی کی کتابوں میں تدسیس نہیں کی بلکہ اہل سنّت کی کتب احادیث اور کتب عقائد میں بھی اپنے مزعومات اس طرح شامل کر دیئے کہ مرور ایام سے وہ اوہامِ باطلہ اہل سنّت کے عقائد بن گئے۔ چنانچہ شرح عقائد نسفی مصنفہ علامہ سعد الدین تفتازانی سے ایک مثال ذیل میں درج کرتا ہوں۔ یہ کتاب آج بھی تمام عربی مدارس میں داخل نصاب ہے اور نہایت مستند تسلیم کی جاتی ہے۔

واضح ہو کہ اہل سنّت کے امام فی العقائد ابوحفص نجم الدین النسفی الماتریدی متوفی ۵۳۷ھ نے علم عقائد میں ایک متن لکھا تھا جس کا نام ہے ''عقائد النسفی'' علامہ تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ نے اس کی شرح لکھی ہے جس کا نام ہے شرح عقائد نسفی' جو تمام دینی مدارس میں داخل نصاب ہے۔ امام نسفی نے اس متن میں لکھا ہے:

''صحابہ رضی اللہ عنہم کو ہمیشہ صرف کلماتِ خیر ہی سے یاد کرنا چاہئے''۔

علامہ اس کی شرح کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

''بہر کیف یزید بن معاویہؓ کے بارے میں علماء نے آپس میں اختلاف کیا ہے (کہ ان پر لعنت کرنا جائز ہے یا نہیں) چنانچہ الخلاصہ (۲۳) میں اور دوسری کتابوں میں بالصراحت مرقوم ہے کہ یزید یا حجاج پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ان لوگوں پر لعنت کرنے سے

---

۲۳) اس سے غالباً کتاب خلاصۃ الاحکام مصنفہ امام نووی مراد ہے۔

منع فرمایا ہے جو نماز پڑھتے ہوں اور جن کا شمار اہل قبلہ میں سے ہو۔ بعضوں نے اس وجہ سے یزید پر لعنت کو جائز سمجھا ہے کہ جب اس نے الحسینؓ کے قتل کا حکم دیا تو وہ کافر ہو گیا۔ ان لوگوں نے ان پر بھی لعنت کرنے کو جائز قرار دیا جنہوں نے الحسینؓ کو قتل کیا' یا اس کا حکم دیا یا اس کی اجازت دی یا اس پر اپنی رضا کا اظہار کیا''۔

اختلاف کا تذکرہ کرنے کے بعد شارح اپنی رائے ان الفاظ میں لکھتا ہے:

''حقیقت یہ ہے کہ یزید کا قتل الحسینؓ پر رضا مندی کا اظہار اور قتل پر اپنی خوشی کا اظہار اور نبیؐ کے خاندان کی توہین' یہ ایسی باتیں ہیں جو تواتر سے ثابت ہیں' اس لئے ہم اس پر لعنت کے بارے میں بالکل تامل نہیں کرتے' بلکہ ہم کو اس کے عقائد کے بارے میں بھی فیصلہ کرنے میں کوئی توقف نہیں ہے (یعنی ہم اسے کافر یقین کرتے ہیں) اس لئے اس پر اور اس کے اعوان و انصار سب پر خدا کی لعنت ہو۔''

میری رائے میں یہ فقرہ جو ''حقیقت یہ ہے'' سے شروع ہو کر لعنت پر ختم ہوتا ہے' علامہ موصوف کا تحریر کردہ نہیں ہے' بلکہ کسی سبائی نے اپنی طرف سے شامل کر دیا ہے۔ قرینہ اس پر یہ ہے کہ لعنت کے جواز پر جو تین وجوہ بیان کی گئی ہیں وہ تینوں غلط اور جھوٹی ہیں' کیونکہ تاریخی طور پر ثابت نہیں ہو سکتیں۔ میں اپنے دعوے کے ثبوت میں تاریخ ابن الاثیر المتوفی ۶۳۰ھ' جلد سوم' مطبوعہ ۱۳۵۶ھ' صفحہ ۲۹۹' ۳۰۰ سے ضروری تصریحات پیش کرتا ہوں۔

(ا) یزید نے (حسینؓ کے سر کو دیکھ کر) کہا: ''خدا کی قسم! اگر میں (کربلا میں) تیرے ساتھ ہوتا تو میں تجھے قتل نہ کرتا۔

(ب) کوئی عورت آلِ یزید میں سے ایسی باقی نہ رہی جس نے (اس واقعہ پر) ماتم نہ کیا ہو۔

(ج) یزید نے حکم دیا کہ علی بن حسینؓ اور اس کے خاندان کی عورتوں کو علیحدہ مکان میں ٹھہرایا جائے' اور یزید نہ صبح کا کھانا کھاتا تھا نہ رات کا جب تک علی بن حسینؓ کو اپنے ساتھ شریک طعام نہ کر لیتا تھا۔

د) یزید نے کہا میں تو حسینؓ کو اپنے گھر میں اپنے ساتھ رکھتا اور جو وہ چاہتا اسی کا حکم دیتا' خواہ اس سے میری سلطانی کو ضعف ہی کیوں نہ پہنچتا' اور میں یہ طرزِ عمل اس قرابت کی بناء پر کرتا جو اسے رسول اللہ ﷺ سے حاصل تھی۔

ہ) اللہ لعنت کرے ابن مرجانہ پر اور اپنا غضب نازل کرے اس پر۔

و) اور جب یزید نے ارادہ کیا کہ ان کو مدینے بھیجے تو نعمان بن بشیر کو حکم دیا کہ ضروری سامانِ سفر مہیا کیا جائے اور ایک امین آدمی اہل شام میں سے مع فوج ان کے ساتھ کرے۔

ز) بوقت رخصت یزید نے علی کو بلایا اور کہا ''اللہ لعنت کرے ابن مرجانہ پر! قسم خدا کی! اگر میں اس کے ساتھ ہوتا جو وہ طلب کرتا اسے دیتا اور اس سے اس کی مصیبت کو دور کرتا' خواہ اس میں میرا کوئی بیٹا ہی کیوں نہ کام آ جاتا۔ لیکن اللہ کا فیصلہ یہی تھا جو تُو نے دیکھا۔ اے بیٹے! جب تجھے کوئی حاجت درپیش ہو تو مجھے لکھنا۔

ح) جب قافلہ مدینہ پہنچا تو فاطمہ بنت علی نے اپنی بہن زینب سے کہا: ''اس شخص نے (جو قافلے کا انچارج تھا) ہمارے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا ہے۔ کیا تیرے پاس کچھ ہے جو اسے دیا جائے؟'' زینب نے کہا: ''ہمارے پاس زیورات کے سوا اور کیا ہے؟'' پس دونوں نے اپنے سوارین اور دملحین اتارے اور اس کے پاس بھیجے' لیکن اس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میں نے یہ حسنِ سلوک رسول اللہ ﷺ سے تمہاری قرابت کی بناء پر کیا ہے۔''

میں نے احتیاطاً ابن اثیر کی عربی عبارت کا ٹھیٹھ لفظی ترجمہ کر دیا ہے۔ اب قارئین خود فیصلہ کر لیں کہ ان تصریحات سے وجوہِ لعن و تکفیر میں سے کوئی ایک وجہ بھی ثابت نہیں ہوتی۔ ابن اثیر کے علاوہ کسی مستند تاریخ سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ امیر یزیدؒ نے قتلِ حسینؓ کا حکم دیا تھا' یا قتل کی اطلاع پر چراغاں کیا تھا' یا جشنِ مسرت منعقد کیا تھا یا خواتین کی بے حرمتی کی تھی۔

اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ یہ آخری فقرہ علامہ تفتازانی کے قلم سے نکلا ہے تو وہ

دوسرے لفظوں میں علامہ کو تاریخ اسلام سے ناواقف ثابت کر رہا ہے۔ علامہ تفتازانی نے ۷۹۱ھ میں وفات پائی۔ اس لئے انہوں نے تاریخ طبری' مصنفہ طبری المتوفی ۳۱۰ھ اور تاریخ الکامل' مصنفہ ابن اثیر متوفی ۶۳۰ھ اور البدایہ والنہایہ' مصنفہ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ ضرور پڑھی ہوگی۔ اب عقلاً صرف دو صورتیں ممکن ہیں۔

۱) یا تو علامہ تفتازانی کو ایک جاہل شخص تسلیم کر لیا جائے۔

۲) یا پھر اس عبارت کو اُن سے منسوب کرنے کی بجائے کسی جاہل سبائی کی تدسیس قرار دیا جائے۔

اس کے علاوہ اس عبارت کے الحاقی ہونے پر ایک داخلی شہادت بھی پیش کرتا ہوں۔

شرح عقائد نسفی کا جو نسخہ میرے پیش نظر ہے وہ ۱۳۲۹ھ میں مطبع مجتبائی دہلی سے شائع ہوا تھا۔ اس نسخے میں ہر جگہ حضرت حسینؓ کے نام کے آگے "ؓ" لکھا ہوا ہے' جیسا کہ اہل سنّت کا مسلمہ دستور ہے۔ مگر اِس عبارت میں لفظ حسین کے اوپر "ؓ" بنا ہوا ہے۔ قدرتی طور پر سوال پیدا ہوگا کہ جب چار سطور پہلے "ؓ" بنا ہوا ہے تو یہاں اس فقرے میں "ؓ" کیوں بنا ہوا ہے۔ اس کا ایک ہی جواب ہوسکتا ہے اور وہ یہ کہ یہ فقرہ کسی ایسے شخص نے اپنی طرف سے داخل کتاب کیا ہے جو حضرت حسینؓ کو انبیاء کا ہم پلہ یقین کرتا ہے' یعنی طائفہ سبائیہ سے تعلق رکھتا ہے۔ آئندہ کاتبوں نے نقل مطابق اصل کے قاعدے کی پابندی کی حتیٰ کہ یہ شاہد تدسیس ہمارے زمانے کی مطبوعہ کتابوں میں بھی بجنسہ موجود ہے اور زبانِ حال سے کہہ رہا ہے کہ مجھے کسی ایسے شخص نے لکھا ہے جو شارحِ کتاب علامہ تفتازانی کا ہم خیال اور ہم عقیدہ نہیں تھا۔

اب ایک مثال سیرۃ النبیؐ سے درج کرتا ہوں۔

سیرۃ النبیؐ کی کتابوں میں ابن اسحٰق کی سیرۃ غالباً قدیم ترین ہے۔ یہ شخص مدینہ میں ۸۵ھ میں پیدا ہوا تھا اور بغداد میں ۱۵۱ھ میں فوت ہوا۔ عقائد کے لحاظ سے شیعہ تھا۔ اس کی تصنیف موسومہ سیرۃ رسولؐ کو ابن ہشام نے ایڈٹ (مرتب) کیا جو بصرے میں پیدا ہوا تھا اور ۲۱۸ھ میں فسطاط (مصر) میں فوت ہوا۔ ابن اسحٰق کی سیرت آج کل سیرتِ ابن ہشام کے نام سے معروف ہے۔ ابن اسحٰق غزوۂ خیبر کے سلسلے میں

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''کل جھنڈا اس کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو دوست رکھتا ہے۔ اللہ اس کے ذریعے سے فتح عطا کرے گا' وہ بھاگنے والا نہیں ہے''۔ چنانچہ دوسرے دن آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو بلایا جو آشوبِ چشم میں مبتلا تھے۔ آنحضرت ﷺ نے اپنا لعابِ دہن لگا دیا (آنکھیں اچھی ہوگئیں) اور جھنڈا دے کر فرمایا: ''اسے لے کر جاؤ یہاں تک کہ اللہ تمہارے ذریعے سے فتح عنایت کرے''۔ چنانچہ علیؓ بعجلت تمام قلعے کے نزدیک پہنچے اور پتھروں کے ڈھیر میں جھنڈا گاڑ دیا۔ قلعے کی چوٹی سے ایک یہودی نے انہیں دیکھ کر نام پوچھا۔ جب انہوں نے اپنا نام بتایا تو اس نے کچھ اس قسم کے الفاظ کہے کہ موسیٰ کی دعا کے مطابق تم کامیاب ہو گئے' یا وہ الفاظ کہے جن کا مطلب یہ تھا کہ حضرت علیؓ واپس نہیں آئے جب تک اللہ نے انہیں فتح عطا نہیں کر دی''۔

۹) عبداللہ بن الحسن نے مجھ (ابن اسحٰق) سے کہا کہ میرے خاندان کے ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ میں نے ابورافع (آنحضرت ﷺ کے آزاد کردہ غلام) سے سنا کہ ''جب آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کو اپنا جھنڈا دے کر بھیجا اور وہ قلعے کے نزدیک پہنچے تو اس کے محافظ باہر نکلے اور حضرت علیؓ نے ان سے جنگ کی۔ ایک یہودی نے ان پر حملہ کیا جس سے ان کی ڈھال ان کے ہاتھ سے چھوٹ گئی' اس لئے حضرت علیؓ نے جلدی سے دوڑ کر ایک در (کواڑ) اٹھا لیا جو قلعے کے پاس پڑا تھا اور اس سے ڈھال کا کام لیا۔ جب فتح حاصل ہوگئی تو اسے پھینک دیا۔ میں نے اس دروازہ (کواڑ) کو سات آدمیوں کے ساتھ مل کر اٹھانے کی کوشش کی مگر ہم اسے نہ اٹھا سکے''۔ (مقتبس از انگریزی ترجمہ 'سیرۃ ابن اسحٰق' موسومہ سیرت رسول اللہ ﷺ صفحات ۵۱۲ تا ۵۱۴' مطبوعہ لندن ۱۹۵۵ء)

یہ اقتباسات ابن اسحٰق یعنی ایک شیعہ مصنف کی کتاب سے پیش کئے گئے ہیں جو اس قدر راسخ العقیدہ تھا کہ اس نے اپنی اس تصنیف میں حضرت ابان بن حضرت عثمانؓ بن عفان کی تصنیف کتاب المغازی سے جو اس موضوع پر اوّلین تصنیف ہے' اپنی تصنیف میں ان سے کوئی روایت قبول نہیں کی ہے اور نہ اُن کا تذکرہ کیا ہے' محض اس لئے کہ حضرت ابان دامادِ رسول ﷺ' خلیفۂ راشد' امامِ مظلوم حضرت عثمان شہید فی

سبیل اللہ کے بیٹے تھے (اللہ اکبر کس قدر احتیاط ملحوظ رکھی) بہر حال ان اقتباسات سے حسب ذیل حقائق اظہر من الشمس ہیں۔

۱) مرحب کو حضرت علیؓ نے قتل نہیں کیا بلکہ حضرت محمد بن مسلمہؓ نے قتل کیا۔

۲) حضرت علیؓ نے خیبر کے قلعوں میں سے ایک قلعہ فتح کیا تھا۔

۳) عبداللہ بن الحسن والی روایت جس کی رو سے حضرت علیؓ نے کواڑ سے ڈھال کا کام لیا' نہ اصولِ روایت کے اعتبار سے قابل اعتبار ہے اور نہ اصولِ درایت کے لحاظ سے لائق قبول ہے۔ اصولِ روایت کی رو سے اس لئے نہیں کہ عبداللہ بن الحسنؒ نے یہ نہیں بتایا کہ یہ داستان میں نے کس سے سنی۔ تمام محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جس روایت کے راویوں میں سے کوئی راوی مجہول الاسم ہو' یعنی اس کا نام معلوم نہ ہو تو وہ روایت قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ اور اصولِ درایت کی رو سے اس لئے نہیں کہ جب حضرت علیؓ کے ہاتھ سے ڈھال گر پڑی تو عقل یہ کہتی ہے کہ انہیں دوڑ کر اپنی ڈھال اٹھا لینی چاہئے تھی نہ یہ کہ وہ ڈھال کو چھوڑ کر اس کواڑ کو اٹھانے جاتے جو قلعے کے پاس پڑا ہوا تھا۔ یہ بات اس وقت قابل قبول ہوتی جب راوی یہ واضح کر دیتا کہ ڈھال بہت دور مثلاً پچاس قدم پر تھی اور دروازہ یا کواڑ بہت نزدیک تھا۔ علاوہ بریں دنیا میں آج تک کوئی دروازہ یا کواڑ ایسا نہیں بنایا گیا جو ڈھال کا کام دے سکے۔ ڈھال اور دروازے میں دور کی مناسبت بھی نہیں ہے۔

۴) مرحب سے حضرت علیؓ کی جنگ کا افسانہ دوسری صدی میں یعنی ابن اسحٰق کی زندگی میں وضع نہیں کیا گیا' ورنہ ابن اسحٰق جس نے دروازے کا افسانہ درج کر دیا' اس افسانے کو یقیناً زینتِ کتاب بناتا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ مرحب سے حضرت علیؓ کی جنگ کا افسانہ تیسری صدی میں وضع کیا گیا اور جس طرح بہت سی غلط روایات سبائیوں کی تدسیس سے اہل سنّت کی کتابوں میں راہ پا گئیں یہ افسانہ بھی ان کی کتابوں میں جگہ پا گیا۔ فی الجملہ سیرۃ کی قدیم ترین کتاب کی رو سے بالکل واضح ہے کہ مرحب کو محمد بن مسلمہؓ نے قتل کیا تھا لیکن افسانہ طرازوں نے مرحب اور حضرت علیؓ کے مابین فرضی قتال کو جس رنگ آمیزی کے ساتھ پیش کیا ہے اس کی تفصیل کے لئے میں البدایہ والنہایہ'

مؤلفہ امام ابن کثیر دمشقی المتوفی ۷۷۴ھ سے ضروری اقتباسات ذیل میں درج کرتا ہوں:

۱) حافظ البزار نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ یومِ خیبر میں پہلے ابوبکرؓ اور پھر عمرؓ کے بھیجنے اور اس کے بعد علیؓ کے ہاتھ پر فتح ہونے کا جو قصّہ ہے اس کے سیاق میں غرابت اور نکارت ہے اور اس کی اسناد میں ایک شخص ایسا بھی ہے جو متہم باتشیع ہے۔

۲) روایت کی موسیٰ بن عقبہ نے زہری سے کہ تحقیق جس نے قتل کیا مرحب کو وہ محمد بن مسلمہؓ تھے۔ اور یہی کہا ہے محمد بن اسحٰق نے بروایت جابر بن عبداللہ کہ نکلا مرحب الیہودی خیبر کے قلعے سے یہ رجز پڑھتا ہوا ''قد علمت خیبر انی مرحب'' تو آنحضرت ﷺ نے کہا: ''اس کا مقابلہ کون کرے گا؟'' محمد بن مسلمہ نے کہا ''میں کروں گا'' فضربه محمد ابن مسلمه حتى قتله. پس تلوار ماری ابن مسلمہ نے یہاں تک کہ قتل کر دیا اس کو (یعنی مرحب کو)۔ صفحہ ۱۸۹ ج ۴

۳) کہا یونس نے ابن اسحٰق سے کہ روایت ہے کہ مجھ سے کہا میرے خاندان کے ایک شخص نے کہ اس نے سنا تھا رافع مولیٰ رسول اللہ ﷺ سے کہ ہم نکلے علیؓ کے ساتھ جب بھیجا ان کو رسول اللہ ﷺ نے اپنا جھنڈا دے کر۔ جب ہم قلعے کے پاس پہنچے تو اہل قلعہ مقابلہ کے لئے نکلے۔ ایک یہودی کی ضرب سے علیؓ کی ڈھال ان کے ہاتھ سے گر پڑی تو قلعے کے دروازے کو ڈھال بنایا یہاں تک کہ قلعہ فتح ہو گیا..... میرے ساتھ سات آدمی اور تھے میں آٹھواں تھا، مگر ہم سے دروازہ پلٹا نہ جا سکا''۔

اس افسانے پر ابن کثیر نے یہ تنقید کی ہے و فی هذا الخبر جهالة و انقطاع ظاهر یعنی اس روایت میں جہالت بھی ہے اور انقطاع ظاہر بھی ہے (یعنی بیچ کا راوی غائب ہے)۔ پھر لکھتے ہیں:

۴) حاکم اور بیہقی کی روایت میں ہے کہ اس دروازے کو چالیس آدمی بھی مل کر نہ اٹھا

سکے۔ابن کثیر لکھتے ہیں کہ یہ روایت بھی ضعیف (نا قابل اعتبار) ہے۔

۵) جابر سے روایت ہے کہ ستر آدمیوں نے اٹھانے کی کوشش کی تھی (۲۴)۔ابن کثیر لکھتے ہیں کہ یہ روایت بھی ضعیف (نا قابل اعتماد) ہے۔(ج ۴' ص ۱۹۰)

۶) الواقدی نے بھی جابر سے یہی روایت کی ہے کہ مرحب کو محمد بن مسلمہؓ نے قتل کیا تھا۔(ج ۴' ص ۱۸۹)

اختصار بقدر ضرورت از البدایہ والنہایہ ابن کثیر' جلد چہارم' صفحات ۱۸۷ تا ۱۹۰' مطبوعہ مصر ۱۹۳۲ء

بخوفِ طوالت میں ان موضوع روایتوں کو نقل نہیں کر سکتا جن میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مرحب کو حضرت علیؓ نے قتل کیا تھا۔ میرا مقصد صرف یہ ثابت کرنا تھا کہ مرحب کو محمد بن مسلمہؓ نے قتل کیا تھا نہ کہ حضرت علیؓ نے۔ الحمدللہ کہ میں نے اس بات کو بخوبی یعنی ابن اسحٰق کی گواہی سے ثابت کر دیا جو شیعہ تھا۔ لہٰذا وہ تمام افسانے جو مرحب اور حضرت علیؓ کی اس فرضی جنگ کے سلسلے میں تصنیف کئے گئے ہیں خود بخود باطل اور بے اصل و بے بنیاد قرار پاتے ہیں۔ یہ روایتیں جیسا کہ محدثین اور محققین مثلاً علامہ سخاوی نے لکھا ہے' سراسر لغو ہیں۔(سیرۃ النبی' شبلی نعمانی' جلد اول' ص ۴۸۸)

چونکہ میں تصوف کی تاریخ لکھ رہا ہوں نہ کہ تدسیس سبائیہ و باطنیہ کی تاریخ' اس لئے انہی چند مثالوں پر اکتفا کرتا ہوں۔ اس کے بعد اہل سنّت صوفیوں کی تصانیف سے ایسے اقوال پیش کروں گا جو اہل سنّت کے معتقدات کے خلاف ہیں' لیکن ان صوفیوں نے سبائیت اور باطنیت سے متاثر ہو کر ان کو قبول کر لیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ خود بھی گمراہ ہو گئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کر دیا۔

ان صوفیوں کی کمزوری یہ تھی کہ یہ لوگ نہ محدث تھے نہ مؤرخ تھے۔ اس پر مستزاد یہ امر ہوا کہ ان لوگوں کے نزدیک تحقیق و تدقیق و تنقیدی۔ یہ سب باتیں سوءِ ادب میں داخل ہو گئی تھیں۔ جنیدؒ کا تصوف یہ تھا کہ ''ہم ہر بات کو قرآن و سنّت کی کسوٹی پر آزما کر دیکھیں گے' اگر کوئی بات کتاب و سنّت کے خلاف ہوگی۔ **فھو مردود**'' خواہ وہ

---

۲۴) خدا کا شکر ہے کہ ستر کے مبارک عدد پر حاملین باب خیبر کی تعداد کا اختتام ہو گیا۔ واضح ہو کہ سات' چالیس اور ستر کا شدید اختلاف کسی وضاحت کا محتاج نہیں ہے۔

کسی کی زبان سے نکلی ہو۔ لیکن نویں صدی ہجری میں باطنیہ کی مساعی قبیحہ سے سنّی صوفیوں کی ذہنیت یہ ہوگئی تھی کہ وہ قول کے حسن و قبح کے بجائے قائل کو دیکھنے لگے تھے۔ مثلاً ایک روایت خواہ کتنی ہی خلاف عقل و نقل کیوں نہ ہو اگر وہ کسی بزرگ سے منسوب ہے تو محض اس سے نسبت کی وجہ سے قابل اعتماد قرار پا جائے گی اور اس میں تحقیق یا اس پر تنقید کو سوء ادب سمجھا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اہل سنّت کی کتابوں میں صدیوں سے غلط روایات نقل ہوتی چلی آ رہی ہیں اور آج کسی میں یہ اَخلاقی ہمت نہیں ہے کہ انہیں غلط کہہ کر اپنی مرجعیت اور مقبولیت سے دست بردار ہو جائے۔

باطنیت

گمراہی کے دروازوں میں سب سے زیادہ خطرناک اور مضرت رساں دروازہ جو باطنیہ نے کھولا وہ یہ تھا کہ ہر لفظ کے ایک ظاہری معنی ہوتے ہیں اور ایک حقیقی یا باطنی۔ انہوں نے الفاظ کے اس باطنی پہلو پر اس قدر زور دیا کہ ان کا اصلی نام اسمٰعیلیہ غیر معروف ہو گیا اور وہ باطنیہ کے نام سے مشہور ہو گئے۔ بہرکیف انہوں نے کہا کہ اسی طرح قرآن وحدیث کے الفاظ کے بھی دو معنی ہیں' ایک ظاہری دوسرے باطنی' اور ان کو آپس میں وہی نسبت ہے جو پوست (ظاہر) کو مغز سے ہے' جہلاء صرف ظواہر (ظاہری معنی) سے آگاہ ہیں' حقائق یا باطنی معانی کو صرف اہل اسرار جانتے ہیں۔ جو شخص ظواہر میں گرفتار ہے وہ شریعت کی پابندیوں میں جکڑا ہوا ہے اور دین کی نہایت نیچی سطح پر ہے' جو شخص اہل باطن کی صحبت میں رہ کر حقائق سے آشنا ہو جاتا ہے وہ شریعت کی پابندیوں سے آزاد ہو جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن کی اس آیت کا یہی مفہوم ہے ﴿وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَلَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ﴾ (الاعراف: ۱۵۷) ''یعنی رسول اس بوجھ سے نجات دلاتا ہے جس کے تلے وہ (عوام) دبے ہوئے تھے اور وہ طوق اتارتا ہے جو ان کی گردنوں میں پڑے ہوئے تھے''۔

باطنیہ نے اپنی اس بنیادی تعلیم کو عوام کے سامنے صوفی بن کر پیش کیا۔ رفتہ رفتہ جاہل صوفیوں نے پہلے ظاہر اور باطن کی تفریق کا اصول اختیار کیا' پھر اس کے منطقی نتیجے کو بھی قبول کر لیا۔ یعنی انہوں نے شریعت اور طریقت میں تفریق کر دی اور کہنے لگے کہ شریعت کا حکم کچھ اور ہے اور طریقت کا حکم کچھ اور ہے۔ آخرکار انہوں نے باطنیہ کی اس تعلیم کو بھی تسلیم کر لیا کہ جب سالک کو معرفت حاصل ہو جاتی ہے تو وہ قید شریعت سے آزاد ہو جاتا ہے۔ اور اپنے اس باطل عقیدے پر اس آیت سے استدلال کیا ﴿وَاعْبُدْ